

فضلاءِ دینی مدارس کی ذمہ داریاں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

حضرت ابو داؤد و رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے:

”جو طلب علم کی راہ میں چلے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ فراہم کرتے ہیں، طالب علم کی خوشنودی کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں، عالم کے لئے زمین و آسمان کی تمام چیزیں دعاء مغفرت کرتی ہیں، یہاں تک کہ پانی کی آغوش میں رہنے والی مچھلیاں بھی، عالم کی فضیلت عبادات گزار شخص پر ایسی ہی ہے جیسے چودھویں شب کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر، علماء انبیاء کے وارث ہیں، کہ انبیاء نے درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑی، بلکہ علم کی میراث چھوڑی ہے، جو علم سے سرفراز ہو، اس نے (انبیاء کی میراث سے) بڑا حصہ پایا۔“ (ترمذی، حدیث نمبر:

(۲۶۸۲)

اس ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں علم دین کے حاملین اور طالبین کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، یہاں تک کہ فرمایا گیا کہ کائنات کی تمام چیزیں ان کے لئے دعا گو ہوتی ہیں، عبادت و بندگی مشقت طلب عمل ہے اور ہر مذہب میں عبادتوں اور ریاضتوں کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے، لیکن عالم کو نمایاں طور پر عبادت گزار سے افضل قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ اگر عابد ستارہ ہے تو عالم چودھویں کا چاند، پھر علماء کو میراث نبوت کا حامل قرار دیا گیا، اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی؟ لیکن اگر اس حدیث پر گہرائی سے غور کیا جائے اور جن الفاظ و کلمات سے عالم کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس کے دائرہ کو ملحوظ رکھا جائے، تو اس حدیث سے عمل کا پیغام بھی ملتا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہایت خوش اسلوبی اور حکمت کے ساتھ مدح و ستائش کے پیرایہ میں علماء کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

چاند کا کام کیا ہے؟ اندھیزوں کو روشن کرنا، راہ گیروں کے لئے راستہ کی پہچان کو آسان کرنا، راہ بھٹکے ہوؤں کو گم گشتہ راہی سے بچانا اور اپنا پسیدہ جلا کر ایک عالم کو روشنی پہنچانا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ عالم کا یہ فریضہ منصبی ہے کہ وہ امت بلکہ پوری انسانیت کے لئے رہنمائی کا فریضہ انجام دے، وہ اپنے ماحول اور سماج کے لئے قبلہ نما کی حیثیت رکھتا

ہے، جس کے ذریعہ لوگ ایک کعبہ مقصود کو جان سکیں، اسی لئے یہ مقابلہ عابد کے اس کی فضیلت زیادہ ہے، کیونکہ عبادت کرنے والے کے عمل کا جو کچھ نفع ہے وہ اس کی ذات تک محدود ہوتا ہے اور ایک عالم چاند کی طرح ہے جس کی روشنی سے پوری دنیا مستفید ہوتی ہے۔

جو لوگ علم دین حاصل کرتے ہیں، وہ دراصل حق کے چوکیدار ہیں، ان کا کام صرف اس قدر نہیں کہ کسی مدرسہ میں بچوں کو تعلیم دیں، کسی مسجد میں امامت کر لیں اور سمجھیں کہ ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی، یقیناً بچوں کی تعلیم اور مسجد کی امامت بھی بڑا کام ہے اور ان ہی وسائل کے صدقہ بظاہر اس ملک میں چہار طرف سے آتش عناد سلگنے کے باوجود اسلام کا شجرہ طوبی سرسبز و شاداب صورت میں موجود ہے، لیکن علماء کی ذمہ داریاں اس سے زیادہ ہیں۔ جو لوگ مدارس میں نہیں آتے، ان میں طلب علم کی پیاس کیوں کر پیدا ہوگی؟ جو لوگ بارگاہ خداوندی میں سجدہ کی لذت سے محروم ہوں، انہیں کس طرح خدا کی چوٹ تک لایا جائے گا؟ جن کی زندگیوں میں حلال و حرام کی سرحدیں ٹوٹ چکی ہیں، یہاں تک کہ شعائر اسلام کے تعظیم و احترام کی توفیق سے بھی وہ محروم و تہی دامن ہیں، ان کے ایمان کی سرانگینی ٹھیسوں کو کیوں کر سلگایا جائے گا؟ جو مسلمان انسانی حقوق کے تقاضوں سے بے گانہ ہوتا جا رہا ہے اور ایثار کی جگہ خود غرضی، اخوت و محبت کی جگہ نفرت و عداوت، عدل کے بجائے ظلم، تواضع و انکسار کے بجائے کبر و نخوت، اسلامی بھائی چارہ کے بجائے طرح طرح کے تعصبات اور شرافت و حیاء کی جگہ تہذیب و ثقافت کے نام پر بے حیائی نے لے لی ہے، آخر ان سماجی اور روحانی بیماریوں کا علاج کون کرے گا؟ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ علماء کا منصبی فریضہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو ایک اور موقع پر کس خوبصورتی سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”زمین میں علماء کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آسمان میں ستاروں کی، جن سے خشکی اور

تری کی تاریکیوں میں راستے کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، پھر اگر ستارے ڈوب جائیں تو

قریب ہے کہ راہ چلنے والے راستے سے بھٹک جائیں“۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۲۱۸۹)

یہ تعبیر کتنی بلیغ ہے! کہ جیسے ستارے رات کی تاریکی میں سفر کرنے والے راہروں کے لئے راستہ بتانے کا کام کرتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ بے دینی، بے علمی اور فساد عقیدہ کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں، انہیں منزل مقصود تک جانے والا راستہ دکھانا علماء کی ذمہ داری اور ان کا منصبی فریضہ ہے۔ موجودہ حالات میں جب کہ اسلام پر جو کچھ حملہ

ہو رہا ہے، اور بیک وقت کئی جہتوں سے دین حق پر یورٹیں کی جا رہی ہیں، علماء اور دینی مدارس کے فضلاء کے لئے حقیقت کو جان لینا ضروری ہے کہ ان کی حیثیت کسی اسکول اور جزوقتی آفس کے ملازم کی نہیں، بلکہ ان کی حیثیت سرحد پر مقرر حفاظتی فوجوں کی ہے، ایک ایسے سپاہی کی ہے جو صرف خدا سے اجر پانے کے لئے کام کرتا ہے اور جو اپنی سرحد کی ایک ایک انچ کی حفاظت کے لئے خون جگر کا تختہ پیش کرنے کو تیار رہتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل مصر سے کہا تھا کہ تم مسلسل سرحد کی حفاظت پر مامور رہو، گویا جنگ کی حالت میں ہو۔ حالانکہ اس وقت مصر کی سرحدوں کو کوئی قابل ذکر خطرہ درپیش نہیں تھا۔ یہ کون سی جنگ تھی؟ یہ جنگ تہذیب و تمدن کی جنگ تھی، یہ جنگ مسلمانوں کو شعائر اسلام پر باقی رکھنے کی جنگ تھی اور یہ جنگ ان ہزاروں لوگوں کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت کی جنگ تھی، جو ابھی دامن اسلام میں آئے تھے۔

یہی جنگ ہے جو اس وقت مسلمانوں کو اس ملک میں لڑنی ہے اور اس کی کمان علماء کو اپنے ہاتھ میں لینی ہے، یہ جنگ تیغ و شمشیر اور توپ و تفنگ کی نہیں، بلکہ دعوت و اصلاح اور امت کے مسائل کے بارے میں فکر مندی اور دردمندی کی ہے۔ جو لوگ انبیاء کے وارث نہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس درد کی میراث میں بھی حصہ دار ہوں، کہ یہ انبیاء کی خصوصیت رہی ہے، انسانیت کے بے راہ لوگوں کے لئے ان کی آنکھیں رات رات بھر خدا کے سامنے ابلیسی رہتی تھیں، ان کا سوز دروں لوہے جیسے دلوں کو بھی پگھلا کر رکھ دیتا تھا اور جیسے کوئی مچھلی پانی کے لئے اور کوئی مریض جاں بہ لب صحت و شفاء کے لئے بے چین ہوتا ہے، اسی طرح وہ بے چین ہوتے تھے کہ کیوں کر محرومان ہدایت کو ایمان کا آب حیات پلا دیں اور کس طرح مریضان روح کو صحت و شفاء سے شاد کام کریں! یہی کمک جب تک کلیجوں کو بے سکون نہیں کرے، ممکن نہیں کہ عالم اس فریضہ کو انجام دے سکے۔ جو دارش نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت سے اس کے ذمہ آتی ہے، اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ علماء اور مشائخ موجودہ حالات میں اس حقیقت کو سمجھ لیں، کہ درس گاہوں کی چھتوں اور خانقاہوں کی غلوت گاہوں میں بیٹھ کر مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت نہیں ہو سکتی، اگر علماء امت کے دوسرے مسائل سے پہلو تہی کرنے لگیں تو یہ ایسا خسارہ ہوگا جس کی تلافی ممکن نہیں ہوگی۔

یہی علماء حق کا طریقہ کار رہا ہے، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے کارواں کو دیکھنے کے کلکتہ کے ساحل سمندر سے سرحد کے میدان کارزار تک، کہاں کہاں اس کے نقش پاشت ہیں؟ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دیوبندی کی درس گاہ میں بھی ہیں، شامی کے کارزار میں بھی اور میلہ خدا شناسی میں حق کی ترجمانی کا حق بھی ادا کر رہے ہیں، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ عیسائیت کا تعاقب کرنے کے لئے آگرہ سے حجاز و مصر اور ترکی تک پہنچے ہیں، مولانا محمد علی مونگیریؒ اپنے شیخ

کے حکم پر کاپور کے راحت کدہ کو چھوڑ کر منگیتر پہنچتے ہیں اور قنہ قادیانیت سے ایک بڑے علاقہ کے میدان کی حفاظت کرتے ہیں، مولانا نور شاہ کشمیریؒ ایک بلند پایہ محقق اور ایسے محدث ہیں کہ علماء کے درمیان ان کے علم کا طوطی بولتا ہے، لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی حفاظت کے لئے کہاں کہاں کی خاک چھانتے ہیں؟ اور اپنے خلوت کدہ کو خیر باد کہہ کر قنہ قادیانیت کی عین جائے پیدائش پنجاب پہنچ کر اس نامراد قنہ کی سرکوبی فرماتے ہیں، شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ استاذ الاساتذہ ہیں، لیکن اپنے گوشہ عافیت کو چھوڑ کر کہاں کہاں کی صحرا نور دہی کی؟ یہاں تک کہ جرم بے گناہی میں مالٹا کے قید خانہ تک پہنچے۔

پھر ذرا اور پر نگاہ اٹھا کر دیکھئے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ اللہ تعالیٰ اور برصغیر پاک و ہند کے کونہ کونہ میں آسودہ خواب صوفیاء کی تاریخ پڑھیے، یہ سب اپنے عہد کی مشہور و مقبول درس گاہوں کے تربیت یافتہ تھے، وہ کہاں پیدا ہوئے؟ کہاں سے فیض حاصل کیا؟ کہاں کہاں جا کر خیمہ زن ہوئے؟ اور کہاں خود ان کے ذریعہ چشمہ فیض جاری ہوا؟ اس سرزمین کو جن بزرگوں کی نسبت سے عزت حاصل ہے، ان میں ایک بابا شرف الدین سہروردیؒ ہیں، جو عراق میں پیدا ہوئے اور کتنے ہی دشت و بیاباں سے گذر کر، دکن میں اولین داعی اسلام کی حیثیت سے فروکش ہوئے اور ۵۸۷ھ میں یہیں وفات پائی، اگر اس نقطہ نظر سے صوفیاء کے احوال کا مطالعہ کیا جائے تو اسلام کی تاریخ و دعوت کا ایک نیا پہلو سامنے آیا ہے اور یہ علماء کے لئے متاع عبرت ہے۔

سلف صالحین میں کم ہی ایسے لوگ ملیں گے کہ جس مٹی میں پیدا ہوئے ہوں اسی مٹی کو اپنی ابدی خواب گاہ بھی بنایا ہو، غرض علماء زندگی کے تمام مسائل میں امت کے رہنما ہیں، انہیں اپنے مقام کا ادراک کرنا ہوگا، جب ہی وہ حالات کے بھنور سے اس سفینہ کو ساحل مراد تک پہنچائیں گے۔ ایمان و عقیدہ کی حفاظت کا مسئلہ ہو، عبادات اور شعائر اسلامی میں کوتاہی کی صورت ہو، سماجی زندگی میں حق تلفی اور ظلم و ناانصافی کی بات ہو، مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی زندگی کی مہمات ہوں، ہر محاذ پر انہیں ایک مخلص سپاہی کی طرح آگے بڑھنا ہوگا، اس کے بغیر وہ بدلتے ہوئے حالات میں اس امت کی رہنمائی کا فریضہ ادا نہیں کر سکتے اور اگر علماء نے اس کو نظر انداز کیا، تو پھر کوئی طبقہ نہیں جو اس ذمہ داری کو اس کے حدود و آداب اور تقاضوں کے ساتھ ادا کر سکے۔